جسم کی تو زندگی ہے جان سے
جان کی ہے زندگی عرفان سے
عشق جاناں سے تو ہے دل کی حیات
نفس موٹا ہوتا ہے طغیان سے

ضیائے مدینہ

مرزا شکور بیگ مرزا

ہدیہ: حسب مرضی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُرودِ تنجینا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ صَلٰوۃً

اے اللہ نازل فرما درود و رحمت ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکی آل پر

تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ

ایسا درود و رحمت کہ اس کے سبب سے ہم نجات حاصل کریں، ہمارے تمام خوفوں اور آفات

وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا

سے اور برآئیں اسکے سبب سے ہماری تمام حاجتیں اور پاک ہوجائیں ہمارے اسکی

بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ

وجہ سے تمام برائیاں اور بلند ہوجائیں ہمارے اس کی وجہ سے آپ کے پاس کے

اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ

اعلیٰ مقامات اور پہونچ جائیں ہم اس کی وجہ سے انتہائی

مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ

تمام بھلائیوں تک زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی،

اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ

اس لئے آپ ہر چیز پر قادر ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس کی فنا باللہ — اس کی بقا باللہ

۳۰ راگست ۱۹۸۱ء اتوار کے دن شام ینار اکسپریس سے بمبئی روانہ ہوا۔ ۳۱ر تاریخ کو صبح صبح وہاں پہونچ گیا۔ اپنے عنایت فرما غلام غوث صاحب کے ہاں قیام کیا۔ یکم ستمبر کو حج کے ویزے کیلئے درخواست دی معلوم ہوا کہ ایک نیا قاعدہ بنایا گیا ہے۔ سعودی عرب سے جو ڈرافٹ آئے اس پر منگوانے والے کے پاسپورٹ کا نمبر بھی درج ہوا کرے۔ اس سقم کی وجہ سے ڈرافٹ واپس کئے جا رہے تھے۔ میرے ڈرافٹ پر نام کے ساتھ میری ولدیت بھی درج تھی مگر پاسپورٹ کا نمبر نہ تھا۔ شائد میری عمر کا لحاظ کر کے اس نقص کو نظر انداز کر دیا گیا۔ متعلقہ صاحب کو حکم دیا گیا کہ پاسپورٹ کا نمبر خود ڈال لیں اور ویزا جاری کریں۔ الحمد للہ یوں کرم کی بارش شروع ہوئی۔

۲ ستمبر ۱۹۸۱ء چہارشنبہ کے دن مجھے موسم حج کا ویزا مل گیا۔ سعودی ایرلائنس میں ۵ ستمبر ۱۹۸۱ء کے ہوائی جہاز میں جگہ محفوظ ہو گئی۔ ہفتہ کا دن تھا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں جناب غلام غوث صاحب کی موٹر میں ایرپورٹ روانہ ہوا۔ شام کے چھ بجے کے بعد ہوائی جہاز اڑا۔ دہران پر عازمان حج سے معلم وغیرہ کی فیس کے بابتہ ریال وصول کر کے پاسپورٹ پر مکتب الواجدہ کی مہر لگا دی گئی۔ وہاں سے پھر جدہ کیلئے روانہ ہوئے

ابھی رات باقی تھی کہ جہاز جدہ پہونچ گیا۔ اب میرے لئے یہ مسئلہ تھا کہ
اپنے مرحوم دوست کے داماد میاں محمد نسیم صاحب کے گھر کیسے پہونچوں۔
کیلو ۳ پر جو بدر بیکری ہے یہیں سے دو تین فرلانگ پر ان کا مکان تھا
ابھی ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ کوئی جانی پہچانی صورت نظر آئے
کہ پھر کرم نے دستگیری فرمائی۔ جناب انور نامی ایک نوجوان میرے قریب آئے
اور سلام کیا۔ میں نے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ انھوں نے کہا میں آپ
ہی کو لینے آیا ہوں۔ ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس جہاز سے اترے ہیں
میری موٹر یہاں سے دور کھڑی ہے، کیا آپ وہاں تک چل سکیں گے
میں نے کہا انشاء اللہ۔ انھوں نے میرا سوٹ کیس اٹھا لیا، اور میں ان
کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ سوٹ کیس کے وزن سے ان کا ایک ہاتھ دکھ جاتا
وہ اسے دوسرے ہاتھ میں لے لیتے، اور مڑ مڑ کر مجھے دیکھتے بھی جاتے کہ میں
آ رہا ہوں کہ نہیں۔ اس طرح چلائی جا رہی تھی، اور موٹر تک پہنچ نہ پاتے
تھے۔ اتفاق سے انھیں راستہ میں ایک ٹرالی ملی جو ہوائی اڈہ پر مسافروں
کے سامان رکھنے کے لئے رکھی جاتی ہے، کسی صاحب نے شائد اپنا سامان
موٹر میں رکھ کر اسے وہیں چھوڑ دیا ہوگا وہ ہمارے کام آگئی۔ میرے نوجوان
ہمدرد نے سوٹ کیس اس پر رکھ لیا، ان کے ہاتھوں کو آرام ملا اور اسے
ڈھکیلتے لے چلے، اس طرح ہم موٹر کے قریب پہونچے اور سفر شروع
ہوا۔ میں نے کہا آپ مجھے کیلو ۳ پر جو بدر بیکری ہے وہاں لے چلیں
وہاں سے مجھے راستہ معلوم ہے۔ کافی دیر بعد ہم بدر بیکری پہونچے

وہاں سے میری رہبری شروع ہوئی۔ مکان کی تلاش میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم مکان سے تیس چالیس قدم کے فاصلہ پر پہونچ گئے مگر اس مکان سے پہلے ایک نیا مکان تعمیر ہو رہا تھا، اس کا ملبہ راستہ پر پڑا تھا اور راستہ بند تھا اس منظر نے بھٹکا دیا۔ اور کچھ غلط گھمائی کے بعد طے پایا کہ رات کا بقیہ حصہ صاحب موٹر کے مکان میں گذرا جائے اور صبح پھر تلاش شروع ہو۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ انور میاں کا مکان آرام دہ تھا۔ انھوں نے پھلوں اور شربت سے ضیافت فرمائی، کچھ دیر کے سلسلے میں وہاں سوگیا۔ صبح کو انور صاحب کو ڈیوٹی پر جانا تھا انھوں نے یہ عنایت کی کہ اپنے کسی دوست کے ساتھ ڈیوٹی پر چلے گئے اور اپنی موٹر میرے لئے چھوڑ دی ؟ اور ایک حیدرآباد کے صاحب سے کہہ دیا کہ وہ مجھے اس موٹر میں محمد نسیم صاحب کے مکان پہونچا دیں۔ اللہ تعالے اس جوان صالح کی عمر دراز کرے اور رزق میں کشادگی ہو۔ ان کی وجہ سے بہت آرام ملا۔ صبح ناشتہ کے بعد انور صاحب کے دوست نے مجھے نسیم صاحب کے گھر پہونچا دیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ رات کو اس گھر کے کتنے قریب آکر ہم دور ہو گئے۔

نسیم میاں، ان کی بیوی بچوں سے ملاقات ہوئی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مجھے دیکھ کر ان سب کو خوشی زیادہ ہوتی ہے یا میں ان سب سے مل کر زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ بہر حال پھر دہی میں تھا ان کا گھر تھا وہی خلوص و محبت کی فضا تھی۔ بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا اور

کھیل کو دشروع ہوگیا۔

حسن میاں (نسیم میاں کے برادر نسبتی) ان کی بیوی شاہین سلمہا اپنی پیاری بچی صبا کے ساتھ ملنے آئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی کاظم میاں بھی تھے جو ہندوستان سے ملازمت کیلئے یہاں آئے ہوئے تھے سب سے مل کر جی خوش ہوا۔ میری آمد کی خبر سنکر ایک اور پرخلوص جوان عامر میاں بھی آگئے جو اسی بلڈنگ کے فلاٹ میں اوپری منزل میں رہتے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ اس سال ان کے محترم والدین اور ان کی بہن تینوں حج پر آنے والے ہیں۔ جناب وسیم صاحب سے ملاقات کی مسرت اس دفعہ بھی نصیب نہ ہوسکی۔ البتہ انھوں نے مدینہ منورہ کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھجوا دیا۔

۸ ستمبر ۸۲ء کو دو موٹریں ہوائی اڈہ کو چلیں۔ ایک میں نسیم میاں میں اور نسیم میاں کے بیوی بچے، دوسری میں عامر میاں۔ راستہ میں اپنے آفس کے قریب عامر میاں نے موٹر چھوڑ دی اور نسیم میاں کی موٹر میں چلے آئے اور وہی چلاتے ہوئے ہوائی اڈہ پر پہنچے، وہاں سب سے مل ملا کر میں مدینہ منورہ کیلئے جہاز میں سوار ہوگیا۔ الحمدللہ مدینہ منورہ میں حاضری کی عزت نصیب ہوئی۔ خوشی کی انتہا نہ تھی دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اور زبان پر یہ شعر جاری تھا:۔

مجھ جیسے گنہگار کو طیبہ میں بلایا ؎ یہ سب مرے آقا مرے مولا کا کرم ہے

(مرزا)

آرام دہ۔ بس ہوائی اڈہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسری سڑک پر پہونچا دیتی ہے۔ میں نے سامان ایک کنارے رکھا، اور اپنے دوست محمد دین صاحب قریشی کی دوکان پر اطلاع کرائی کہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ وہاں سے ایک صاحب آئے میرا سوٹ کیس اٹھا لیا اور ہم دوکان پہونچے جو وہاں سے بالکل قریب ہے۔ قریشی صاحب نے اپنے ہاں ٹھیرنے کہا۔ میں نے کہا آپ کا شکریہ۔ فی الحال مجھے جناب احمد الدین صاحب اویسی کے مکان پر پہونچا دیجئے جو طریق سلطانہ پر واقع ہے۔ چنانچہ ان کی موٹر میں ہم احمد میاں کے مکان پہونچے وہاں میں اسی کمرہ میں آرام سے ٹھہر گیا۔ جہاں دو سال ٹھہر چکا تھا۔ احمد میاں کو معلوم ہوا تو اپنے آفس سے فوراً آ گئے۔ اور مل کر خوش ہوئے۔ ان کی بیوی بچوں کو بھی خوشی ہوئی۔ ان کے صاحبزادے مدنی پاشا اور حجازی میاں پہلے ذرا رکے رہے، پھر مدنی پاشا لپٹے ان کا دیکھا دیکھی حجازی میاں بھی قریب آئے۔ جب میں گذشتہ سال یہاں سے گیا تھا حجازی میاں نے رینگنا شروع کیا تھا۔ اب تو ماشاءاللہ چلنے لگے تھے۔ بہرحال ان بچوں سے بڑی وابستگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ انھیں صاحب اقبال کرے اور ان کے بڑوں کا سایہ ان پر سلامت رہے۔ احمد میاں سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب کا مزاج ابھی سنبھلا نہیں ہے مگر معمول کی مجلس اور لنگر جاری ہے۔

میں حضرت ممدوح سے ملنے بیچین تھا، دھوپ میں شدت تھی

شکر ہے کہ مدینہ منورہ کا مبارک موسم گرما پھر نصیب ہوا۔ شام کو بارگاہ بیکس پناہ میں ایک بھاگا غلام حاضر ہوا، اور یوں حاضر ہوا۔

آب دیدہ میں کھڑا ہوں ان کے در کے سامنے
میری نافرمانیاں سب ہیں نظر کے سامنے

میرے آقا۔ رحمتِ کُل جلوہ فرما ہیں یہاں
میں نہیں آیا ہوں کچھ دیوار و در کے سامنے

اور پھر حال یہ تھا کہ:

جب کبھی سجدہ میں جاتا ہوں تو اس کو کیا کروں
ان کی چوکھٹ ہی رہا کرتی ہے سر کے سامنے

وہ تو ایسے کریم ہیں کہ:

لگاتے ہیں اس کو بھی سینے سے آقا
جو ہوتا نہیں منہ لگانے کے قابل

بہرحال میں اپنی خوش بختی اور سرفرازی پر جھومنے لگا۔

وہ پیکرِ رحمت ہیں یہ سب ان کا کرم ہے
ورنہ میں کہاں اور کہاں کوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

جب ذرا حالت سنبھلی تو حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب کی یاد ستانے لگی ان کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت کو پلنگ پر پڑا دیکھ کر دل کو ایک دھچکا لگا۔ قریب پہونچکر دست بوسی کی اور اپنا نام کہا نام سنتے ہی فرمانے لگے مرزا صاحب، مرزا صاحب، مبارک، مبارک، اچھا ہوا!

آپ آئے، اچھا ہوا آپ آگئے، اچھا ہوا آپ آگئے۔ پھر میرے ہاتھ کو ازراہ
ذرّہ نوازی چوما، اور میری گدی پر ہاتھ رکھ کر بہت دیر تک دعائیں دیتے رہے
اور میں سر جھکائے ویسا ہی رہا۔ پھر فرمایا مُبارک بہت اچھا ہوا آپ
آگئے۔ حاضر تو میں ہر سال ہی ہوتا رہا ہوں۔ اور کئی سال سے مسلسل
حاضری کی عزت نصیب ہوتی رہتی ہے مگر اس دفعہ ہی بار بار یہی
ارشاد فرمایا کہ اچھا ہوا آپ آگئے، اچھا ہوا آپ آگئے۔ یہ سُن کر میری
آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آخر یہ کیا ہونے والا ہے جس میں میری
موجودگی سے حضرت کو اتنی خوشی ہوئی، دل سے دُعا نکلی کہ الٰہی خیر!
یہ مُبارک سایہ تا دیر سلامت رہے۔ اس کے بعد حضرت کے نامور
فرزند مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور دیگر حاضرین مجلس ابوالقاسم
حنیف قادری، صوفی اقبال، حاجی اسمٰعیل اور اقبال سلیمان، حاجی
آدم، حافظ سردار صاحب، بھائی نور محمد غرض ان سب صاحبان
سے ملاقات ہوئی اور سب حضرت قبلہ کی صحت کی وجہ سے متفکر نظر
آئے مجھے خیال تھا کہ یہ علالت جس کا سلسلہ گزشتہ سال سے چل
رہا تھا دُور ہو جائیگی مگر میں جس حال میں حضرت قبلہ کو گزشتہ
سال چھوڑ گیا تھا اس سے موجودہ حالت مجھے بہت گری ہوئی معلوم
ہوئی پیشاب کیلئے وہی نلی لگی ہوئی تھی جس سے پیشاب ایک شیشہ
میں ٹپکتا تھا، پاؤں پر ورم آگیا تھا، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔
بہر حال دن گذرتے گئے۔ بہت سے پرانے احباب مل کر خوش

ہوتے گئے۔ جناب اسمٰعیل صاحب جالندھری، بھائی عبدالقادر سلیم صاحب مصطفیٰ منزل کے مولانا مظہر علی خاں صاحب اور میرے مرحوم دوست عبدالستار قریشی صاحب کے فرزندوں سے ملاقات کی مسرت نصیب ہوئی۔ ان کے علاوہ محمد حنیف صاحب قاری، صوفی اسلم صاحب اور صوفی دلدار صاحب بھی ملے، غرض کہاں تک نام گناؤں جو بھی ملا دیکھ کر خوش ہو گیا اور میری حاضری کی مبارک باد دینے لگا۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو ادب و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ میں رکھے۔ آمین

حاجیوں کے ہجوم کی وجہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے رات بھر کھلے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ مصطفیٰ منزل میں دہلی کے حافظ محمد ادریس صاحب ملے جو اس دفعہ اپنے بیوی بچوں کے بغیر اپنے دوستوں شبیر بھائی اور اشفاق بھائی کے ساتھ حج پر آئے تھے، ان اصحاب کے بیوی بچے ساتھ تھے بہرحال سب سے ملاقات ہوئی۔ راولپنڈی کے ملک غلام حیدر صاحب کے دو بھائیوں سے بھی مولانا کے دولتکدہ پر ملاقات ہوئی۔ سب کے سب حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ کی صحت کیلئے دست بہ دعا تھے۔ ۸ ستمبر کو میں پہونچا تھا اور اسی مہینے کے آخر میں احمد میاں صاحب اپنی بیوی بچوں کے ساتھ حیدرآباد سدھارنے والے تھے۔ انھوں نے افسوس کا اظہار یوں ظاہر کیا کہ آپ دیر سے آئے۔ آپ کی زیادہ خدمت کرنے کا ہمیں موقع نہ مل سکے گا۔ یہ الفاظ جس خلوص کے آئینہ دار ہیں ان کے بیان کی ضرورت نہیں۔ اللہ

انھیں اور ان کے اپنے بیوی بچوں کو صحت و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رکھے اور حضور کریم کا کرم شامل حال رہے۔ حضرت احمد کھنڈوانی صاحب کی ایک خاص ہستی ہے امراض نے انھیں بھی نڈھال کر رکھا ہے۔ حرم شریف کی حاضری بہت کم ہو گئی ہے مگر دوسرے معمولات جاری ہیں۔ اللہ تعالےٰ انھیں سلامت رکھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی ساتھ ہیں جو ان کی خدمت میں مصروف رہتی ہیں اللہ تعالیٰ فضل فرمائے جناب انصر علی صاحب انصاری نے دمام میں دوسری ملازمت کرلی ہے بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا۔ اس لئے کسی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ انھوں نے کہیں سے ایک دفعہ فون پر مجھ سے بات کی تھی۔ دیکھتے دیکھتے دن تیزی سے گذر گئے۔ میں احمد میاں کے گھر میں حسب معمول بہت آرام سے تھا۔ اس دفعہ بچوں کے تماشے دیکھنے کا موقع کم ملا اور ۳۰ ستمبر کی تاریخ آگئی۔ اس تاریخ کو مغرب کے بعد احمد میاں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ہوائی اڈہ کیلئے روانہ ہوئے۔ چہار شنبہ کا دن تھا دوسرے دن ان کی فلائیٹ ہندوستان کے لئے تھی۔ حسب سابق جاتے ہوئے وہ اپنے فلاٹ کی کنجی مجھے دے گئے میں ان کی عدم موجودگی میں بھی وہیں مقیم رہا۔ چہار شنبہ کو احمد میاں اپنی فیملی کے ساتھ سدھارے اور جمعہ کے دن یعنے ۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء مطابق ۴ ذیحجہ ۱۴۰۱ھ چار بجے کے قریب حیدر آباد کے عبد الغفار صاحب میرے ٹھکانے پر آئے اور یہ خبر وحشت اثر سنائی کہ مولانا ضیاء الدین صاحب قادری کا انتقال ہو گیا۔

عین اس وقت جب کہ جمعہ کی اذان ہو رہی تھی۔ کیا بتاؤں کہ دل پہ کیا گزری۔ گو حالات بتا رہے تھے کہ وہ دن قریب آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت ہم سے چھین جائیگی۔ پھر بھی یہ صدمہ برداشت سے باہر معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے آنسو بھری آنکھوں سے وضو کیا اور تیار ہو کر عبد الغفار صاحب کے ساتھ ان کے دوست کی موٹر میں وہاں پہونچا۔ وہ گلی جس میں حضرت کا دولتکدہ تھا۔ سوگواروں سے اٹی ہوئی تھی۔ ہر چہرہ غم آلود تھا بعض تو ایسے ساکت و صامت تھے جیسے انہیں خبر نہیں کہ کیسی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ میں جب پہونچا غسل دیا جا رہا تھا۔ میت کو تیار کر کے جب اسی کمرہ میں لایا گیا جہاں حضرت کی خواب گاہ تھی تو مجھے حاضری اور دیدار کا موقع ملا۔ میں نے حضرت کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، چہرہ پر تازگی تھی ایسا لگتا تھا کہ جاگ رہے ہیں مگر آنکھیں بند کر لی ہیں۔ پیشانی کے بوسہ کے بعد سید ھا ہونے سے پہلے گر پڑتا، مگر کسی نے مجھے سنبھال لیا۔ وہاں کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ سب دل شکستہ تھے اور سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ہر طرف یہی نقشہ دکھائی دے رہا تھا۔ مسجد نبوی میں نماز عصر ہو چکی تھی۔ جب جنازہ گھر سے باہر نکلا تو ہر ایک نے کوشش شروع کی کہ کندھا دینے کی سعادت نصیب ہو جائے، کافی مجمع تھا۔ حج میں ابھی چار دن باقی تھے بہت سے عازمانِ حج مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ غرض باب رحمت سے جنازہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا، اور ریاض الجنۃ میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی ایما پر ملک شام کے ایک علاقہ

سے مفتی اور عالم دین حضرت مفتی محمد علی مراد صاحب نے نماز جنازہ
پڑھائی جن کو حضرت قبلہ سے خلافت کا بھی شرف حاصل ہے۔ نماز کے
بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مواجہ عالی میں جنازہ کو روکا گیا اس کے
بعد حضور کریم کے قدوم مبارک کی طرف جنازہ رکا اور پھر باب جبریل سے
نکلا اور عام راستہ سے جنّت البقیع کو چلا۔ شرکاء کی کثرت قابل دید تھی
جو ضعیف لوگ تھے وہ پہلے ہی جنّت البقیع پہونچ گئے تھے، وہاں کے
منتظمین نے بھی ان کو پہلے سے جنّت البقیع میں داخل ہونے کی اجازت
دیدی تھی تاکہ عین وقت کی کشمکش سے محفوظ ہو جائیں۔

اس جنازے و جلوس کے متعلق جو کچھ کہا گیا اس میں حیرت کی کیا
بات تھی ایسا تو ہونا ہی چاہیئے تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو حیرت کی بات ہوتی:

عاشق کا جنازہ تھا، بڑی دھوم سے نکلا، بڑی دھوم سے نکلا

جنھوں نے دیکھا اس منظر کو بھول نہ سکیں گے۔ جس منزل کے اشتیاق و انتظار
میں مولانا ضیاء الدین صاحب قادری نے عمر کے اسّی سال مدینہ منورہ
میں گزارے وہ منزل آگئی۔ جنت البقیع میں دفن کی عزت ملی اور جگہ
بھی کہاں پائی اہل بیت کرام کے پاک قدموں کی طرف زیادہ صحیح تو یہ
ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے مبارک قدموں کے بہت قریب۔
ہائے وہ وقت بھی آگیا جب اپنے وقت کے آفتابِ طریقت کو سپرد
خاک کردیا گیا۔ ان کے فرزند مولوی فضل الرحمٰن بھی قبر میں اترے، اور
اپنے ہاتھوں سے اشکبار آنکھوں سے اس نعمت و امانت کو جنت البقیع کی

مُبارک زمین میں دبا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ دلخراش کام ختم ہوگیا۔
دُعائے مغفرت کے بعد سب سوگوار آہستہ آہستہ واپس ہوئے" اِنّا لِلّٰہِ وَ
اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" اللہ تعالےٰ ہمیں اس صدمے کو سہارنے کی طاقت
عطا فرمائے اور حضرت ممدوح کے درجاتِ قرب کو بلند سے بلند فرمائے۔
زمرۂ صدیقین میں محشور فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین
مولانا ضیاء الدین احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی نے
میری زندگی کا کیف ختم کردیا۔ حضرت مجھے اتنا چاہتے تھے اتنا چاہتے تھے
کہ دوسروں کو رشک آتا تھا اور میری عدم موجودگی میں بھی میرے لئے ایسی
دُعائیں فرماتے تھے کہ جو لوگ مجھ سے واقف نہ تھے وہ مجھے دیکھنے کے متمنی ہوتے
تھے سال ہا سال سے میں حضرت کی اس شفقت و عنایت کا حامل تھا،
اور اس عنایت و کرم میں میری کوئی اہلیت، قابلیت کو شمہ بھر بھی دخل
نہ تھا یہ سب حضرت کا کرم ہی کرم تھا۔ میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ باغ شمسیہ
کی ایک محفل میں دیکھا جو اس عمارت کے وسیع صحن میں منعقد ہوئی تھی
پرانے لوگ اس عمارت کو تواتیہ کہتے تھے کیوں کہ اس کے قدیم مالک کا نام
تواتی تھا۔ حیدرآباد دکن کے ایک امیر کبیر نے اس عمارت کو خرید لیا ان کا
خطاب شمس الامراء تھا، اسی مناسبت سے اس عمارت کو باغ شمسیہ کہنے
لگے تھے۔ حضرت کے دولتکدہ کی گلی مشرقی جانب وہ عمارت واقع تھی
اس محفل میں مدینہ منورہ کے بہت سے صاحبانِ دل شریک تھے جن کے
نورانی چہرے عجیب بہار دے رہے تھے۔ سوچتا ہوں تو کل کی سی بات

معلوم ہوتی ہے مگر اس واقعہ کو بیس سال بیت گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں محفل میں ہلچل محسوس ہوئی اور سب کی نظریں مغرب کی جانب اٹھیں وہاں ایک بزرگ پیدل تشریف لا رہے تھے، سر پر سفید عمامہ پنجابی وضع کا، بند گلے کا کوٹ کندھے پر ایک شال درمیانی قد، رنگ سانولا، سفید داڑھی اور چھوٹی چھوٹی تیز خوبصورت آنکھیں، تعظیم کیلئے اہل محفل اٹھے حضرت کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور درمیان میں بٹھا دیا۔ محفل میں نورانی چہرے جو پہلے تھے وہی اب بھی موجود تھے، مگر نظر کسی چہرہ پر ٹک رہی تھی تو حضرت کا چہرہ تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں معلوم ہوا حضرت ضیاء الدین صاحب ہیں ساٹھ سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ اسی عمارت کے باہر گلی میں بائیں ہاتھ کی طرف آخری مکان میں رہتے ہیں اور پھر کہا کہ وہ دیکھئے وہ صاحب ذرا جسیم سے جو انتظامات میں مشغول ہیں وہ حضرت کے اکلوتے صاحبزادے ہیں جن کا نام مولانا فضل الرحمن ہے اس محفل میں میں نے بھی ایک نعت شریف سنائی۔ دوسرے دن میں عصر کے بعد حضرت کی خدمت میں اکیلا حاضر ہوا۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے اندر داخل ہو کر داہنے جانب کی سیڑھیوں کے دروازے کے پاس سے آواز دی کیا میں اندر حاضر ہو سکتا ہوں جواب ملا چلے آئیے۔ میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی تھی، میں کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا مصافحہ کے بعد حضرت نے میری اس کیفیت کو محسوس فرما لیا اور مجھے اصلی حالت میں لے آئے، فرمایا آپ کا نام کیا ہے، میں نے نام بتایا۔

فرمایا کہاں سے آنا ہوا، میں نے کہا حیدر آباد دکن سے فرمایا خوب، خوب، مبارک مبارک، میں بھی حیدر آباد آچکا ہوں فرمایا کہ رات کو عشاء کے بعد یہاں محفل نعت شریف ہوتی ہے آیا کیجئے۔ میں اس اجازت پر بہت خوش ہوا۔ اور جب تک مدینہ منورہ میں حاضر رہا برابر اس مجلس میں حاضر ہوتا رہا۔ وہاں کے دیگر شعراء سے بھی تعارف ہوگیا اور میں ایک نعت گو شاعر کہلانے لگا اور سب اہل محفل بشمول حضرت ممدوح مجھے مرزا صاحب کہنے لگا۔ اس کے تین چار سال بعد پھر مجھے مدینہ منورہ میں حاضری کی عزت نصیب ہوئی وہی حاضرین مجلس اور حضرت قبلہ کی شفقت شامل رہی، بلکہ اس میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرم ہوا کہ سولہ سترہ سال سے مسلسل حاضری کی عزت نصیب ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔ ہر سال تقریباً تین ماہ تو ضرور ہی مدینہ منورہ میں گزارنے کی عزت نصیب ہی ہوا کی۔ پہلے پانی کے جہاز سے جایا کرتا تھا۔ پہلے جہاز سے جاتا اور آخری جہاز سے واپس ہوتا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دنوں کی ہر رات حضرت کی مجلس میں شریک ہوتا تھا۔ کبھی سنا تھا کہ اگر تو خود فقیر نہیں بن سکتا تو کسی فقیر کے دل میں جگہ پیدا کرلے۔ اللہ تعالےٰ کے انوار کی جو بارش اس فقیر کے قلب پر ہو گی اس کا تو بھی حصہ دار بن جائے گا۔ یہی میں نے کیا۔ میں نے کیا کیا منجانب اللہ اس کی توفیق نصیب ہوئی۔

حضرت قبلہ مجھے چاہنے لگے، ان کی ذرّہ نوازی تو کیا بیان کروں
اللہ تعالےٰ نے اہلِ مدینہ کے دل میں میری محبت ڈال دی، وہ بھی
میرے لئے بہت دعائیں کرتے رہے، اور باوجود ملکی قانون کے کہ ایک
دفعہ حج کرنے والا پھر پانچ سال تک نہیں جا سکتا، مجھے ہر سال حاضری
کی عزّت ملتی رہی۔ قانون اپنی جگہ رہا، کرم اپنی جگہ۔ نہ میں نے قانون
کی خلاف ورزی کی نہ قانون نے مجھے روکا۔ کوئی نہ کوئی صورت ایسی
نکلتی گئی کہ حاضری ہوتی رہی۔ اور حضرت قبلہ کی شفقت بڑھتی گئی۔
میرے خلوص اور عقیدت میں اضافہ ہوتا رہا۔

حضرت کو یہ معلوم تھا کہ میں رات کو اپنے ٹھکانے پر نہیں ہوتا بلکہ مسجد
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دروازہ یا دیوار کے پاس رات گزار دیتا ہوں
حضرت کی محفل میں ایک ہلکا سا کمبل لئے میں حاضر ہوتا تھا۔ محفل
برخواست ہو جانے کے بعد اجازت روانگی چاہتا تو ارشاد ہوتا کہ مرزا صاحب
آپ جا کر کیا کریں گے بیٹھیے۔ میں عرض کرتا آپ کے آرام کا وقت ہے تو
فرماتے آرام ہی آرام ہے بیٹھیے۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے بہت سی
راتیں حضرت کے ساتھ ایسی گذاری ہیں کہ حضرت اور میں صرف دو ہی
کمرے میں ہوتے اور تہجد کی اذان ہو جایا کرتی تھی۔ میں اس وقت
بہت سی باتیں حضرت سے پوچھتا اور حضرت بھی بہت باتیں خود
ارشاد فرماتے تھے۔ ان مبارک راتوں کو میں فراموش نہیں کر سکتا۔ ان
ہی دنوں میں نے جو نعت شریف کہی اس کا مطلع یہ تھا:

راتیں بھی مدینے کی باتیں بھی مدینے کی
جینے میں یہ جینا ہے کیا بات ہے جینے کی

غرض اس وقت حضرت ایسی ایسی باتیں فرماتے کہ انہیں بیان کروں کروں تو یہ کتابچہ کافی نہ ہو۔ بطور نمونہ چند باتیں بیان کرتا ہوں :

ایک دفعہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے، یہاں کے لوگوں کی کیا حالت تھی، فرمایا مرزا صاحب میں ایک واقعہ سناتا ہوں آپ خود اس سے اندازہ کر لیں گے۔ میرے ایک دوست یہاں آئے مجھ سے کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ مدینہ منورہ حاضر ہوا تو وہاں کے غربا میں کپڑا تقسیم کروں گا، اب آپ مجھے لٹھے کے چالیس تھان دلا دیجئے کہ وہ تقسیم کر سکوں۔ میں انہیں لے کر اپنے دوست کی دوکان پر گیا ان سے کہا کہ بھائی ان کو لٹھے کے چالیس تھان چاہئیں۔ یہ سن کر وہ دوست مجھے ذرا علیحدہ لے گئے اور کہا کہ آپ جو کپڑا چاہتے ہیں وہ میرے ہاں موجود ہے مگر صبح سے میں نے بفضل خدا ہزار یا دو سو کما لئے ہیں البتہ میرے مقابل کی دوکان والے صاحب کے ہاں بکری زیادہ نہیں ہوئی یہ کپڑا آپ ان کی ہاں سے دلا دیجئے تو ان کو کچھ منافع مل جائے گا وہ بھی بال بچے والے ہیں۔ یہ سنا کر فرمایا اس وقت ایسے لوگ تھے۔ آج یہ عالم ہے کہ باپ کے گاہک کو بیٹا چھینتا ہے اور بیٹے کے گاہک پر باپ لپکتا ہے۔ کبھی میں نے پوچھا کہ جو لوگ آپ کے ابتدائی زمانے میں حج کیلئے آتے تھے ان کا کیا حال تھا۔ فرمایا اس وقت جو بھی حاضر ہوتا اس کی یہی

کوشش ہوتی تھی کہ چاہے مجھے تکلیف پہنچ جائے مگر میرے بازو والے کو تکلیف نہ ہو، اس لئے ہر جگہ آسانی رہتی تھی آج کل تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں ہر ایک چاہتا ہے کہ میرے آرام میں خلل نہ ہو۔ چاہے دوسروں کو نماز ملے کہ نہ ملے۔

کسی وقت فرمایا کہ اہلِ مدینہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی مشکل پیش کرتے ہیں اور ان سے عرض کرتے ہیں کہ اپنے چہیتے بھتیجے کے پاس سفارش فرمائیں کہ وہ اپنی دُعا سے یہ مشکل حل فرمائیں۔ چنانچہ اپنا ایک خانگی واقعہ بیان فرمایا میں ان تفصیلات کو چھوڑ کر ضروری امور کے بیان پر اکتفا کروں گا۔ فرمایا کہ میری ایک عزیزہ کی اراضی اور باڑی تھی جس پر غیر مجاز اشخاص نے قبضہ کر لیا تھا۔ قاضی کے پاس دعویٰ پیش کیا گیا۔ ان کی جواب دہی ہوئی کہ جس خاتون کے ذریعہ سے مدعیہ اپنے کو مالک بتاتی ہے وہ مطلقہ تھیں، اور ان کی طرف سے ایک جھوٹا تحریری طلاق نامہ بھی پیش کر دیا گیا تھا جس پر دو گواہوں کے دستخط بھی تھے اس طلاق نامہ کی تردید ہمیں پیش کرنی تھی۔ سب کو فکر تھی کہ تردید کیسے کی جائے۔ میں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری کے لئے پیدل روانہ ہوا۔ مزار مبارک سے ذرا قریب مجھے ایک شخص ملا، جس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ شیخ میرے ہاں چل کر چائے پی لیجئے۔ میں نے کہا میں اب حاضری کے لئے جا رہا ہوں اسلئے نہیں آسکتا۔ اس نے کہا خیر واپسی پر تشریف لے آئیے۔ میں نے

کہا مجھے آپ کا گھر نہیں معلوم، اس نے کہا میں یہیں آپ کے انتظار میں ٹھہرا رہوں گا۔ چنانچہ میں جب وہاں سے فارغ ہو کر لوٹا تو وہ شخص میرے انتظار میں کھڑا تھا میں اس کے ساتھ اس کے گھر پہونچا وہ مجھے ایک جگہ بٹھا کر ایک کمرہ میں داخل ہوا، وہاں سے ایک چھوٹی سی ٹوکری لے آیا جس میں بہت سے کاغذات بھرے تھے اس نے وہ کاغذات میرے سامنے انڈیل دیئے اور کہا حضرت جب تک میں چائے تیار کروں آپ ان کاغذات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ میرے والد کے زمانے کے کاغذات ہیں مجھے پڑھنا نہیں آتا اگر کوئی کام کا کاغذ ہو تو رکھ لونگا۔ ورنہ سب کو جلا دوں گا۔ میں نے اچھا کہا اور سب سے پہلے جن کاغذ پر ہاتھ ڈالا، وہ دو گواہوں کے بیانات کی باضابطہ نقل تھی، جو انھوں نے قاضی کی عدالت میں دیئے تھے اور یہ وہی دو گواہ تھے جن کی دستخط اس طلاق نامہ پر تھی اور یہ بیانات اس طلاق نامہ کے بعد کی تاریخ پر دیے گئے تھے اور ان بیانات میں اس خاتون کو زوجہ تسلیم کیا گیا تھا۔ بہر حال ان بیانات کی وجہ سے وہ طلاق نامہ جھوٹا ثابت ہوا۔ اور ہمیں کامیابی نصیب ہوئی۔

کبھی ارشاد فرمایا کہ مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ میرا آدھا دھڑ بے کار ہو گیا تھا۔ سب سمجھ رہے تھے ان کا آخر وقت آن پہونچا۔ پرانے مکان میں جو باب السلام کی طرف تھا میں بنگلہ پر رہتا تھا۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ دو بزرگ تشریف لائے اور مجھ سے

رہے ہیں کہ تمہیں کیا ہوا ہے، کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہو۔ تم چلتے
ں نہیں چلو اٹھ جاؤ۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے جسم پر حرکت
وس کی، کوشش کر کے بیٹھ گیا۔ پھر آہستہ سے کھڑا ہو گیا اور لکڑی کا
سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کمرے کا ایک چکر لگا لیا۔ نیچے
ں نے محسوس کیا کہ اوپر کسی کے چلنے کی آواز آ رہی ہے تو فوراً اوپر آئے
ن کی خوشی کی انتہا نہ تھی، اس طرح میں بفضل خدا ٹھیک ہو گیا
کوئی مجھے دیکھے تو یقین نہیں کر سکتا کہ مجھ پر ایسا شدید فالج کا حملہ
تھا۔ کبھی میں پوچھتا کہ حضرت آپ نے وطن کو کب چھوڑا۔ اعلیٰ حضرت
ۃ اللہ علیہ سے بیعت کب اور کیسے فرمائی۔ اپنے وطن سے کہاں
یف لے گئے اور وہاں کب تک قیام رہا۔ وہاں سے مدینہ منورہ کب
اضری ہوئی۔ سوائے حج کے کبھی آپ مدینہ منورہ سے باہر کبھی گئے اور
تو کیوں، ایسے بہت سے سوال ہیں۔

وہ حضرت سے موقع دیکھ کر پوچھ لیتا اور حضرت اپنی مہربانی سے تفصیل
واب عنایت فرماتے۔ کبھی فرمایا کہ میری عمر بیس سال سے کم تھی کہ
نے اپنا وطن سیالکوٹ چھوڑا۔ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ پھر فرمایا
س حدیث حاصل کرنے پہلی بھیت مولانا شاہ وصی احمد صاحب سورتی
مت میں حاضر رہا، دو سال وہاں ٹھہرا تو وہاں سے مقام بریلی شریف
۔ تھا میں اکثر وہاں چلا جاتا اور اعلیٰ حضرت سے ملاقات کرتا۔
کے ساتھ نماز پڑھتا۔ ان ہی دنوں میں نے ۱۳۱۴ھ میں

بیعت کی مجھے پھر اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اپنے وطن
بغداد شریف ۱۳۱۷ھ میں پہونچا وہاں قیام کے دنوں میں اعلیٰ حضرت
حج کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت کا دوسرا حج تھا۔ پھر فرمایا میں بغداد
میں آٹھ سال رہا۔ پھر وہاں سے ۱۳۲۷ھ میں حکم کی بنا پر مدینہ منورہ
حاضر ہوا۔ اس وقت کسی قسم کی قید نہ تھی۔ لوگ جیسے آج کل ریل کا ٹکٹ
لے کر سفر کرتے ہیں۔ ویسے بھی لوگ ٹکٹ لیکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ آتے
تھے پھر راستہ کی تفصیل فرمائی کہ کس راستہ سے حضرت بغداد شریف
تشریف لائے فرمایا کہ حکومت ترکیہ کی طرف سے مسافروں کے کھانے
پینے کا بھی انتظام ہوا کرتا تھا۔ بہرحال یوں حضرت اس وقت کے
کے لحاظ سے تقریباً ساٹھ سال سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، فرمایا
نے شادی یہیں کی اللہ تعالیٰ نے یہیں اولاد عطا فرمائی۔۔

کبھی فرمایا کہ مدینہ منورہ جب میں آنے لگا تو بغداد شریف کے
ایک مجذوب بزرگ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میرا ایسا ارادہ
ہے آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ ان بزرگ نے کہا کیا فائدہ،
نصیحت کیلئے کہتے ہیں مگر نصیحت پر عمل نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا
میں ان شاء اللہ تعالےٰ عمل بھی کروں گا۔ انھوں نے فرمایا کہ جب
وہاں پہونچو تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صف میں
نہ بیٹھنا۔ دوسری بات یہ کہ اس مسجد میں خیرات نہ دینا۔ تیسری
اہل مدینہ سے میل جول نہ بڑھانا۔ پہلی صف کی فضیلت مجھے

ور حضرت پہلی صف میں نماز پڑھنے سے منع فرما رہے تھے۔ اس لئے
عرض کیا اجازت ہو تو کچھ پوچھوں۔ پہلی صف میں نماز نہ پڑھنے کے
میں کیا مصلحت ہے۔ فرمایا پہلے نصیحت کو کہتے ہیں نصیحت کرو تو
کی وضاحت طلب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا پہلی صف کی فضیلت تو
ی جگہ برقرار ہے مگر آج کل پہلی صف پر نااہلوں کا قبضہ ہوگیا ہے
س لئے تم ان میں نہ گھسو۔ دوسری صف میں پڑھ لیا کرو، اس میں
فضیلت ہے۔ پھر مسجد میں خیرات کیلئے فرمایا مسجد میں مانگنا اور
نا دونوں منع ہے مگر وہاں تو سب فقیر ہیں، تم وہاں خیرات کرکے
غنا کیا بتاؤ گے۔ تیسری بات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم
اہلِ مدینہ کی تکریم کا حکم دیا ہے اگر ان سے گھل مل جاؤ گے تو
کی بعض ایسی باتیں ممکن ہے تمہارے سامنے آجائیں جن سے
تعظیم و تکریم کو دھکا لگے گا اس لئے تم ان سے زیادہ ملو جلو نہیں۔
ں دُور دُور سے تعظیم و تکریم کا معاملہ رکھو۔ یہ بیان کرکے حضرت نے فرمایا
صاحب مجھے یہاں حاضر ہوئے ساٹھ سال ہوئے، میں نے ایک
ت بھی پہلی صف میں نماز نہیں پڑھی نہ مسجد میں خیرات کی۔ ممکن
بہت سے لوگ مجھ سے واقف ہوں مگر میں مدینہ منورہ کے بہت کم
ں سے واقف ہوں، میں نے عرض کیا حضرت نصیحت کرنے والے
ویسے ہوں اور ان پر عمل کرنے والے بھی ایسے ہوں۔
کبھی فرمایا کہ عربوں اور ترکوں میں انگریز کی سازش سے جب جنگ

ٹھنی تو ترکوں سے اپنی فوجوں کو کشت و خون سے منع کر دیا اور
شریفین کے تخلیہ کا حکم دیدیا۔ اسی وقت یہاں کے دین دار لوگ
بھی ان کی جانوں کی حفاظت کیلئے ترک اپنے ساتھ اپنے وطن
اس طرح مجھے بھی یہاں سے جانا پڑا۔ پھر جب شریف مکہ کی حکو
قائم ہوئی میں یہاں پھر حاضر ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ آپ کے حیدر آباد کے مشہور ڈاکٹر جج
نظام نے ان کو ارسطو یار جنگ کا خطاب بھی دیا تھا۔ ان دنوں
لڑکے فضل الرحمٰن کو ایک عارضہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا
ان صاحبزادے کو لے کر حیدر آباد آئیں تو وہاں علاج ہو سکے گا۔ چنا
میں اپنے لڑکے کو لے کر حیدر آباد آیا اور ہمارے پنجاب کے نواب
کے بنگلہ میں ٹھہرا جو اس وقت وہاں وزیر مالیات تھے۔ اسی زما
وہاں کے بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔

جن عالموں اور پیروں سے میں ملا، سب ہی ا
لوگ تھے۔ اللہ تعالےٰ انہیں اچھا رکھے، جو مر چکے
اللہ تعالےٰ اُن کی مغفرت فرمائے، جو زندہ ہیں انھ
سلامت رکھے۔ مگر مرزا صاحب میں تو آپکے پیر و مرشد سید عبداللہ ش
اور وہ افغانی عالم حضرت ابوالوفا کا قائل ہوں۔

پھر فرمایا کہ تیسری دفعہ مجھے مدینہ منورہ یوں چھوڑنا پڑا کہ
۱۳۳۹ھ میں ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر میری سمجھ میں

میرے پیر و مرشد اعلیٰحضرت کی زندگی کا یہ آخری سال ہے اس لیئے میں
حضرت کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ سے ہندوستان روانہ ہوا۔ وہاں
اجمیر شریف میں بھی حاضری دی، بریلی شریف پہونچا۔ اعلیٰحضرت قبلہ
مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ حضرت کی صحت خراب ہو چکی تھی حضرت نے
روزانہ عصر سے مغرب تک کا وقت مجھے عطا فرمایا۔ میں دو مہینے سے زیادہ
وہاں ٹھہرا۔ عصر سے مغرب تک اعلیٰحضرت اور یہ ناچیز دونوں ہی رہا
کرتے تھے رمضان شریف سے پہلے اعلیٰحضرت ٹھنڈے مقام پر تشریف لیجانا
چاہتے تھے اس لیئے حضرت کی اجازت سے میں سعودی عرب آگیا
اور حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ میرے یہاں پہونچنے کے دو
مہینے کے اندر ہی اطلاع ملی کہ ۲۵ صفر کو اعلیٰحضرت کا وصال ہوگیا
بہر حال یہ اور ایسی بہت سی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔
کاش مجھے توفیق ہوتی اور میں ان ارشادات کو قلمبند کر لیا کرتا۔
بعض باتیں تو ذہن سے نکل گئیں جو یاد تھیں ان میں ممکن ہے کچھ بھول
چوک ہوگئی ہو۔ مگر میں نے وہی باتیں بیان کی ہیں جن کی صداقت پر
مجھے یقین ہے۔ اگر میں یہ سلسلہ اور بڑھاتا جاؤں تو اور جو کہنا ہے وہ
باتیں رہ جائیں گی۔ اس لئے اس سلسلہ کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں۔

حضرت ممدوح کے لخت جگر مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے
بہتر سے بہتر علاج کا انتظام کیا۔ خوب روپیہ خرچ کیا۔ اپنے دوسرے
مشاغل کو چھوڑ کر والد محترم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے مگر مشیت ایزدی

ہیں سوائے صبر کے چارہ نہیں ۔

وہ ضیاء مردِ حق تھا وہ جب تک جیا ٭ اہلِ سنت کے جھنڈے کو اونچا کیا
وقت آیا تو جنت کا رستہ لیا ٭ جانشینی کو لختِ جگر دیدیا
ایسے فرزندِ حضرت پہ لاکھوں سلام

حضرت قبلہ جس کے نام کے ساتھ سالہا سال مدظلہ، لکھتا تھا اب اس کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھتے قلم رکتا ہے، دل تڑپتا ہے مگر ایک دن سب ہی کو یہاں سے جانا ہے۔ چنانچہ حضرت نے بھی پردہ فرمالیا اور عالم برزخ کی زیادہ لطیف حیات سے سرفراز ہوئے۔

تدفین کے دوسرے دن شام سب اسی کمرہ میں جمع ہوئے جہاں سالہا سال حضرت کو جلوہ فرما دیکھا تھا وہاں سب چیزیں اپنی اسی جگہ پر موجود تھیں سوائے اس پلنگ کے جس پر حضرت آرام فرماتے تھے۔ اس پلنگ کے علاوہ ایک اور بڑی کمی تھی وہ نہ تھے جسے سب کی نظریں ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کمرہ کا چپہ چپہ حضرت کو یاد دلاتا ہے اور دلاتا رہے گا۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ یوں تو سب ہی پر مہربان تھے لیکن جن سے بظاہر خاص قلبی تعلق تھا ان میں حضرت قاری مصلح الدین صدیقی خطیب و امام مسجد میمن مسجد کھوڑی گارڈن کراچی، حضرت محمد انوار توکل توکل ٹریڈنگ کمپنی کے مالک، حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب لاہور والے اور مدینہ منورہ میں رہنے والوں میں محمد انور خیاط اور میمن

نوجوانوں میں میاں ابوالقاسم، میاں محمد حنیف، صوفی اقبال محمد عاشق اور جناب اکرام صاحب اکاڈومی اور اقبال سلیمان کے علاوہ ممکن ہیں اور نام بھی ہوں، جو فی الوقت میرے حافظہ میں نہیں، وہ اصحاب مجھے معاف فرمائیں۔

بہرحال تدفین کے دوسرے دن جناب قاری مصلح الدین صاحب نے تحریک پیش کی کہ حضرت قبلہ کے صاحبزادہ مولانا فضل الرحمن صاحب کی رسم دستار بندی ادا ہو جانی چاہیئے۔ چنانچہ سبھوں نے اتفاق کیا یہ بھی عجیب بات تھی کہ حضرت کے غسل شریف اور تدفین میں مختلف مبارک مقامات کی مقدس ہستیاں شریک تھیں۔ چنانچہ بریلی شریف کی طرف سے اس مبارک خانوادہ کے حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب کچھوچھہ شریف کے جناب حامد اشرف صاحب خطیب ذکریا مسجد بمبئی اور پاکستان کے قاری مولوی مصلح الدین صاحب اور مفتی محمد علی مراد صاحب بھی موجود تھے۔ غرض سب حاضرین کی موجودگی میں مولانا فضل الرحمن صاحب کی دستار بندی ہوئی، اور ان مبارک ہاتھوں سے یہ کام انجام پایا حضرت ریحان رضا خاں صاحب نے تقریر فرمائی اور میں نے یہ منظوم تحفہ مولوی فضل الرحمن کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ۵ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ م ۳ اکٹوبر ۱۹۸۱ء کی عشاء کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو حضرت کے وصال کا دوسرا دن تھا۔ کیوں کہ حضرت کا وصال تو ۴ ذیحجہ ۱۴۰۱ھ م ۲ اکٹوبر ۱۹۸۱ء کو ہوا تھا۔ میں نے حضرت عالم ذیشان مولانا فضل الرحمن صاحب

کی خدمت میں یہ منظوم تحفہ پیش کیا :

تدبّر سے یہ فرماتے ہیں یکسوئی مسائل کی
نہیں اس کیلئے حاجت براہین و دلائل کی
یہی خوبی بڑی ہے آپ کے احسن خصائل کی
کوئی مانگے نہ مانگے جھولی بھر دیتے ہیں سائل کی

ہے ماضی تابناک اور حال روشن۔ خود ہیں روشن
خدا کے فضل سے روشن رہے گا ان کا مستقبل

نشانِ منزلِ مقصود ہو نقشِ قدم ان کا
مثالِ مہر و مہ روشن رہے فیضِ اتم ان کا
رہیں دارائی و جم سرنگوں ہو وہ حشم ان کا
اُبلتا ہو گہر قرطاس پر نوکِ قلم ان کا

جو اہلِ دل ہیں وہ پہچان جائیں کیفیت ان ک
جو اہلِ حق ہیں وہ فرمائیں قدر و منزلت ان

شبِ تاریک میں پیغامِ انوارِ سحر بھی ہیں
دلوں میں جن کو پوشیدہ رکھیں ایسے گہر بھی ہیں
ضیاء کا فیض ہے جو پُر ضیا قلب و نظر بھی ہیں
خدا کے فضل اور لطفِ نبی سے بہرہ ور بھی ہیں

ہے نسبت قادری اور رابطہ مربوط ہے ان
خدا اور مصطفٰے سے سلسلہ مضبوط ہے ان

وہ ہے روحانیت کا چشمہ جو ہر دم ابلتا ہے
وہ ہے بے مثل فیاضی کہ اک دریا کرم کا ہے
عطا نے ان کی ہر دم منفرد انداز پایا ہے
یہ شہزادے ہیں حضرت نے کہ جن کا بول بالا ہے
نظر جس رخ سے بھی کیجے اسی رخ سے یگانہ ہیں
یہ نازِ بزمِ اہلِ حق بھی ہیں نازِ زمانہ ہیں

ترا ذکرِ مبارک یا خدا یوں دلنشیں ہو جائے
مکاں کے دیکھنے والے کو دیدار مکیں ہو جائے
کرم سے تیرے روشن قلب اور روشن جبیں ہو جائے
مقدر اس طرح چمکے کہ اک نقشِ حسین ہو جائے
دُعا مرزا کی ہے یارب میسر شادمانی ہو
بفضلِ دستگیر ان کی دلوں پر حکمرانی ہو

اس کے دوسرے دن بعد ظہر جب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے برائے ایصال ثواب، قرآن خوانی فاتحہ اور کھانے کا بڑا اچھا انتظام فرمایا اسی رات کو عشاء کے بعد کی محفل میں میں نے اس منقبت میں جو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں ایک سال پہلے لکھی تھی ردوبدل کر کے یہ اشعار سنائے، نہ صرف میں بلکہ تمام سامعین رو رہے تھے۔ عجب منظر تھا "ضیاء الدین احمد کی دلوں پر حکمرانی تھی"

منقبت

پیرِ کامل اور پابندِ شریعت آپ تھے
فضلِ حق سے واقفِ رازِ حقیقت آپ تھے

حضرت والاضیاء الدین احمد قادری
اس شہر کی نعمتوں میں ایک نعمت آپ تھے

عمر تو تھی آپ کی سو سال سے زائد مگر
اس ضعیفی میں بھی کیا پابند سنت آپ تھے

آپ پر تو اعلیٰحضرت کی شفقت خاص تھی
اور دل وجاں سے فدائے اعلیٰحضرت آپ تھے

غوث اعظم سے تو تھی ایسی محبّت آپ کو
ہے بجا اگر میں کہوں غرقِ محبّت آپ تھے

سرورِ کونین سے جو والہانہ عشق تھا
اس کا صدقہ تھا مجسم خیر و برکت آپ تھے

ہر دُعا جو آپ فرماتے تھے ہوتی تھی قبول
کیوں کہ مقبولِ حبیبِ ربِ العزت آپ تھے

اس لئے نازاں تھے سارے اہلِ سنت آپ پر
ان کے حق میں پیکرِ ہمت و قوت آپ تھے

اب تو یوں لگتا ہے جیسے ہو گئے ہیں ہم یتیم
باپ کے مانند ہم سب پر سلامت آپ تھے

اب کہاں پائینگے ہم ویسی محبّت وہ خلوص
ہم غریبوں پر تو سرتاپا عنایت آپ تھے
ہم بڑے خوش بختیوں تھے آپ ہم کو مل گئے
ہم بڑے بے فکر تھے سر پر سلامت آپ تھے
ہے دعا سب کی یہی۔ ہوں آپ کے درجے بلند
فیض بخشی ہے تو دریائے سخاوت آپ تھے
آپ کے لختِ جگر اِک فضل ہے رحمٰن کا
قلب کی ٹھنڈک اور ان کا چین و راحت آپ تھے
رہتی دنیا تک رہے گا نام باقی آپ کا
خوب صورت اِک گُلِ باغِ ولایت آپ تھے
وہ عقیدت مند مرزا کیوں نہ روئے زار زار
اس کی ساری زندگانی کی مسرّت آپ تھے

ایک صاحب نے فرمائش کی کہ مرزا صاحب ایک چھوٹی بحر میں حضرت قبلہ کی منقبت لکھ ڈالئے۔ میں چھوٹی بحر کے اشعار لحن سے اچھا سُنا سکتا ہوں۔ ان کی فرمائش پر یہ منقبت میں نے لکھ دی:۔

عبدیت کا رُخ دکھایا آپ نے ؛ اور ولایت کو چھپایا آپ نے
خوابِ غفلت سے جگایا آپ نے ؛ راستہ سیدھا دکھایا آپ نے
لے رہا ہے اب بھی دل جسکے مزے ؛ نغمہ کچھ ایسا سنایا آپ نے
شکر ہے میخانۂ طیبہ کا جام ؛ خود پیا۔ ہم کو پلایا آپ نے

سب پہ فرمائی شفقت آپنے ؛ سب کو گرویدہ بنایا آپ نے
کام وہ جو اور کے بس کا نہ تھا ؛ کام وہ بھی کر دکھایا آپ نے
کام یعنے اہلِ سنت کا چراغ ؛ بادِ صرصر میں جلایا آپ نے
شہرِ طیبہ نے بسایا آپ کو ؛ دل میں طیبہ کو بسایا آپ نے
منہ لگانے کے بھی ہم قابل نہ تھے ؛ ہم کو سینے سے لگایا آپ نے
آپ کو بھولیں تو آخر کس طرح ؛ جب قدم پھسلے بچایا آپ نے
چند قطرے بھی کرم کے تھے بہت ؛ ہم پہ تو دریا بہایا آپ نے
سال کے بارہ مہینوں سالہا ؛ غوث کا لنگر چلایا آپ نے
فاطمہ زہرہؓ کے قدموں کے قریب ؛ قبر کی منزل کو پایا آپ نے
ہے دُعا سب کی یہی پھولے پھلے ؛ وہ چمن جس کو لگایا آپ نے

معاف کیجے ہے یہ مرزا کو گلا
یہ پردہ فرما کر رُلایا آپ نے

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حج سے فارغ ہو کر جو اصحاب مدینہ منورہ پہونچے انھیں اس محرومی پر بڑا قلق رہا کہ حضرت قبلہ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ ان میں بمبئی کے مشہور واعظ عالم دین منصور علی خاں صاحب رضوی اور کانپور کے جناب محمد سعید جیلانی صاحب بھی تھے جو "ماہنامہ اعلیٰحضرت" کے معاون مدیر بھی ہیں ان کے علاوہ پاکستان کے علامہ محبوب رضا خاں صاحب قدسی کی موجودگی سے بھی بڑی برکت رہی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی

جدائی نے ایسا خلا فرما دیا تھا کہ اس کا پُر ہونا محال نظر آتا تھا ایں
رات رات بھر تنہا اپنے کمرہ میں (علی میاں کے فلاٹ میں) دیوانگی کی
حرکتیں کیا کرتا تھا بعض دفعہ اشعار کہتے کہتے تہجد کا وقت آ پہنچتا تھا
ایک منقبت اور سن لیجئے جو کئی بار عشاء کی بعد کی محفلوں میں سنی گئی:

سینے سے اپنے مجھکو لگا کر چلے گئے ؛ اک بے ہنر کو اپنا بنا کر چلے گئے
یادِ خدا و یادِ نبی اور یادِ غوث ؛ یادوں سے اپنے گھر کو بسا کر چلے گئے
تعظیم سے ہمیشہ لیا نام پیر کا ؛ مرشد کا احترام سکھا کر چلے گئے
تازہ رکھیں گے یاد کو حضرت کی عمر بھر ؛ ایسے کرم کے پھول لٹا کر چلے گئے
ہر جان سوگوار ہے۔ ہر آنکھ اشکبار ؛ ہر دل کو بے قرار بنا کر چلے گئے
غافل کے دل پہ کھول دی عظمت رسول کی ؛ عشق نبی کے جام پلا کر چلے گئے
وہ باتیں پیار کی جنھیں بھولے ہوئے تھے ہم ؛ وہ ساری باتیں یاد دلا کر چلے گئے
سایہ فگن تھے آپ سہارا تو یوں لگا ؛ جیسے ہمیں یتیم بنا کر چلے گئے
آنکھوں کو بند کر لیا۔ دیدار کے لئے ؛ کیسی عجیب بات بتا کر چلے گئے
دل نے کہا جنازے کی وہ دھوم دیکھ کر ؛ مقبولیت کی شان دکھا کر چلے گئے
ہر ہر جگہ ہے اب صفِ ماتم بچھی ہوئی ؛ اس زندگی کو درد بنا کر چلے گئے
لطف و کرم سے ہم کو نہ محروم کیجئے ؛ طعنہ نہ دے کوئی کہ بھلا کر چلے گئے
ہر ایک کو بقدرِ تعلق ملال ہے ؛ چھوٹے بڑوں کو آپ رلا کر چلے گئے
بخت بگڑی [illegible] ہے جاری انکا فیض ؛ کیسے کوئی کہے کہ بھلا کر چلے گئے
حضرت فدا کے اور بھی درجات ہوں بلند ؛ جو سنتوں کو اوج پہ لا کر چلے گئے

مزا ملے گی ویسی محبّت کہاں مجھے
جس کی بہار مجھ کو دکھا کر چلے گئے

اس کے علاوہ بھی جو اشعار موزوں ہوئے وہ آپ کو آگے کے صفحات میں ملیں گے۔ میرے قیام کی مدت قریب الختم ہو رہی تھی۔ ہر سال واپسی کے وقت حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں میرے ساتھ ہوتیں، اور ان ہی کی برکت سے مجھے پھر حاضری کی سعادت نصیب ہوا کرتی تھی، اس دفعہ اس نعمت سے محرومی رہی۔ حیدرآباد میں ڈیڑھ مہینہ قیام کے بعد احمدالدین اویسی صاحب واپس تشریف لے آئے۔ فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ حضرت کی مجلس کے بعد اپنے مخلص دوست حاجی محمد اسمٰعیل (بمبئی والے) کے گھر چلا جاتا وہاں رات کو قیام کرتا اور تہجد کے وقت ان کے گھر سے روانہ ہو کر اشراق کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے احمد میاں صاحب کے گھر چلا جاتا باب السلام کے قریب سے جامعہ کیلئے جو بس چلتی ہے وہ طریق سلطانہ پر انکے مکان کے سامنے کی سڑک پر پہونچا دیتی ہے۔ اسی بس سے میں مغرب سے پہلے بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو آجایا کرتا تھا۔ ۱۴ر ڈسمبر ۱۹۸۱ء (ماہ صفر ۱۴۰۲ھ) مولانا فضل الرحمٰن صاحب قبلہ اور دیگر مخلص احباب کی دعاؤں کیساتھ با دیدۂ پر نم مدینۂ منورہ سے رخصت ہوا۔ احمد میاں نے مجھے ہوائی اڈہ پر پہونچایا۔ حاجی اسمٰعیل صاحب (بمبئی) کے موٹر میں میرے ساتھ تھے

در رو رو کر مجھے رخصت کر رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ ان کی مرادیں پوری فرمائے۔

جدہ میں محمد نسیم صاحب کے ہاں قیام رہا۔ جمعرات کا دن تھا دوسرے
ن عامر میاں کے ساتھ عمرہ کیلئے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ جمعہ کی نماز وہیں
ا ہوئی۔ عمرہ سے فارغ ہوکر عامر میاں کے ساتھ واپس ہوگیا۔ مکہ معظمہ میں
کٹر فضل علی صاحب سے ملاقات ہوئی جنہیں اسی سال وہاں خدمت
موقع ملا ہے ان کے برادر نسبتی بھی ان کے ساتھ تھے اور اصرار کر رہے تھے
ن کے ساتھ ان کے گھر چل کر کھانا کھاؤں۔ چوں کہ جن کے ساتھ میں
تا تھا انھیں فوری واپس ہونا تھا اس لئے میں نے معذرت کر لی اور
رہ واپس ہوگیا۔

۲۲ ڈسمبر کی فلائیٹ سے میں جدہ سے چلا بمبئی پہونچا۔ سعودی
رلائنس کے آفس والوں نے رات کو میرے ہوٹل میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا
ر دوسرے دن ایربس سے ۲۳ ڈسمبر کو میں حیدرآباد پہونچ گیا۔
س سفر میں جن جن اصحاب نے میری مدد فرمائی، میرے لئے دعائیں فرمائیں،
ے یاد کیا اور مجھے آرام پہونچایا اللہ تعالےٰ ان سب کو اپنے حفظ و امان
ں رکھے۔

اور آخر میں دُعا ہے کہ میرے پیر و مرشد محدث دکن صاحب زجاجۃ المصابیح
رت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی القادری
مۃ اللہ علیہ کے درجات بلند سے بلند تر ہوں جن کی توجہ و طفیل سے
یہ عزت نصیب ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح کی آل و اولاد کو بھی خوش و خرم رکھ
اور حضرت کا سلسلۂ فیض جاری و ساری رہے۔ آمین

خاکپائے سگِ طیبہ
مرزا شکور بیگ مرزاؔ

احمد منزل
۱۱-۲-۱۰
سیف آباد۔ حیدرآباد (اے۔پی)
(انڈیا)

فون نمبر ۳۲۷۱۷
تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ۲ھ
مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۸۲ء

درود تاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ
وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ ط دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ
وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ ط اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ
مَّنْقُوْشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ط سَيِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ط
جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ ط
شَمْسِ الضُّحٰى بَدْرِ الدُّجٰى صَدْرِ الْعُلٰى نُوْرِ الْهُدٰى
كَهْفِ الْوَرٰى مِصْبَاحِ الظُّلَمِ ط جَمِيْلِ الشِّيَمِ ط شَفِيْعِ
الْاُمَمِ ط صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ ط وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَ
جِبْرِيْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ
وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوْبُهٗ
وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ
سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ اَنِيْسِ
الْغَرِيْبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ مُرَادِ
الْمُشْتَاقِيْنَ شَمْسِ الْعَارِفِيْنَ سِرَاجِ السَّالِكِيْنَ مِصْبَاحِ

الْمُقَرَّبِيْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَيْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ وَ سِيْلَتِنَا فِى الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ اَبِى الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ ط يٰاَيُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ط

درود شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ وَعَدَدَ مَعْلُوْمَاتِكَ بَارِكْ وَسَلِّمْ ط

(ﷺ)

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کی مبارک محفل میں ایک سے
زیادہ مرتبہ مجھے بڑے علمائے عرب اور عجم کے دیدار کی عزت نصیب ہوئی
وہ سب حضرت قبلہ کے سامنے ایسے باادب بیٹھتے تھے جیسے استاد کے
آگے شاگرد۔ ترکی کے ایک ایسے عالم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے تھے
جنہوں نے وہاں کی لادینی کی وجہ وہاں کی سکونت ترک کرنی چاہی تو حکومت
اور عوام نے ان سے معروضہ کیا کہ آپ یہاں سے جاکر ہمیں یتیم نہ بنائیے،
وہ بزرگ بھی حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو یوں باادب بیٹھتے
تھے کہ دس دس منٹ تک خاموش بیٹھے رہے، میں نے دیکھا ہے کہ کوئی بات
یا استفسار کا جواب دیتے تو نہایت ادب سے اور آہستہ جواب دیتے کہ
اہلِ محفل بھی نہ سُن پاتے۔ ہندوستان کے مشہور عالم مجاہد ملت حضرت
مولانا محمد حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ جب پہلی مرتبہ حضرت کی خدمت میں
آتے تو حضرت کے روکتے رہنے کے باوجود کوشش فرما کر حضرت کے تلوے کا
بوسہ لیتے۔ کبھی حضرت قبلہ کھانے میں شریک ہونے کیلئے فرماتے تو عرض
کرتے کہ اپنا لب لگا کر ایک نوالہ مجھے عطا فرمائے اور اس طرح معروضہ کرتے
کہ حضرت قبلہ کو ان کی بات ماننی پڑتی۔ حضرت مولانا احمد سعید کاظمی
صاحب پاکستان کے مایہ ناز عالم جو ملتان شریف میں قیام پذیر ہیں جب
حضرت سے ملنے آتے تو ایسے ادب سے ملاقات فرماتے کہ بیان سے باہر۔
مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ ان سے کچھ بیان کرنے کیلئے فرماتے تو کچھ تامل
کے بعد یوں بیان شروع فرماتے کہ حضرت قبلہ کے سامنے زبان کھولنا بے ادبی

کم نہیں تعمیل حکم بھی ضروری ہے اس لئے کچھ عرض کرتا ہوں۔ اسی طرح ہر عالم چھوٹا ہو کہ بڑا جو بھی حضرت قبلہ کے ہاں حاضر ہوا اس نے اپنے بیان کی ابتداء اسی سے ملتے جلتے مضمون سے کی۔ ان کی تقاریر اور مواعظ کے ٹیپ میری گواہی دیں گے وہ آنکھ والے تھے، علم والے تھے، اس حضرت کے مرتبے اور علم کا ان کو علم تھا، ہم اندھے، ہمیں اس کی کیا خبر۔

بہر حال مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کی ذات گرامی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مدینے کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بن گئی تھی۔ اب ایک اور منقبت ملاحظہ فرمائیے :۔

عشق کا پیکر شرع کا پاسباں جاتا رہا
منزلِ مقصود کا روشن نشاں جاتا رہا

روتے ہیں چھوٹے بڑے ان کا دُعا گو چل بسا
اہلِ سنت کا کفیل اور پاسباں جاتا رہا

وہ رہا تو برکتیں ہی برکتیں تھیں بزم میں
وہ گیا تو برکتوں کا اک جہاں جاتا رہا

گھس نہ آئے کارواں میں اختلاف و انتشار
ہو الٰہی خیر، میر کارواں جاتا رہا

وہ کہ جو اوروں کے غم میں دل سے ہوتا تھا شریک
وہ کہ جس کی تھی بہت میٹھی زباں۔ جاتا رہا

وہ نبی کا تھا چہیتا۔ غوث کا تھا لاڈلا
اپنے مرشد کا دلارا۔ مدح خواں جاتا رہا

ہائے وہ کیسا ہمارے سر سے سایہ اٹھ گیا
جس کے اٹھ جانے سے سب آرام جاں جاتا رہا

اب تو ڈھونڈے سے بھی مل سکتا نہیں اسکا جواب
وہ جو اس عالم میں تھا خلد آشیاں جاتا رہا

فضل ہے رحمٰن کا، محفل بھی، لنگر بھی ہے
پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے وہ سماں جاتا رہا

محترم مشفق۔ میرا مخلص، دعاگو اور محب
میرا محسن اور میرا قدرداں جاتا رہا

چیر کر سینہ کوئی مرزا کے غم کو دیکھ لے
چین اور آرام جو کچھ تھا یہاں جاتا رہا

میرے دوست محمد انوار صاحب توکل ٹریڈنگ کمپنی کراچی پاکستان
کے اصرار اور دعوت پر دو مہینے کے لئے میں پاکستان پہونچا۔ حضرت مولانا
ضیاءالدین صاحب کی انوار بھائی پر خاص نظر عنایت تھی۔ جب کبھی انکا
ذکر آتا حضرت فرماتے کہ بڑا مخلص آدمی ہے۔ میں ۳۰ مارچ ۸۲ء کو کراچی
پہونچا اور محمد انوار صاحب کا مہمان ہوگیا ان کا خوب صورت مکان
ناظم آباد میں ہے۔ مدینہ منورہ کے صوفی اقبال کی جانب سے
حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی ہیں کھوڑی گارڈن کی میمن مسجد میں

مولانا ضیاء الدین احمد صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ کے ایصال ثواب
کیلئے مجلس مقرر تھی۔ انوار بھائی نے پلان یہ بنایا کہ میری آمد کی اطلاع
کسی کو نہ دیجائے اور دیکا یکٹ میں انوار صاحب کے ساتھ اس مجلس
میں پہونچ جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تمام اہلِ مجلس کے بشمول
صاحب الفضیلہ مولانا قاری مصلح الدین صاحب جو اس مجلس کی
نگرانی فرمارہے ہے۔ اپنی عنایت سے بڑے اچھے الفاظ میں میری آمد کی
شرکاء مجلس کو اطلاع دی۔ کیونکہ جونہی میں داخل ہوا سب سے پہلے حضرت
کی نظر مجھ پر پڑی۔ بہر حال سب کو خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ میں
نے اس مجلس میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ مسدس سنایا۔

نہ یہ قصہ ہے کوئی اور نہ یہ کوئی کہانی ہے
نہ یہ زورِ قلم ہے اور نہ اس کا دُر فشانی ہے
حقیقت سے جو ہے بھرپور ایسی حق بیانی ہے
ضیاء الدین احمد کی دلوں پہ حکمرانی ہے

نہ رکھنے پائے راہِ شرع و سنت سے قدم ا...
جہاں کی رفعتیں ان کی نظر میں راہ کے ...

ضیاء الدین احمد قادری فیض مسلسل تھے
یہ تھے مجموعۂ حسنات الطاف مکمل تھے
یہ اپنے چاہنے والوں کی ہر مشکل کا بھی حل تھے
کتابِ زیست کے ہر باب کی شرح مفصل تھے

گزارے چین کے دن گنبد خضرا کے سایہ میں
رہے اسّی برس تک یہ شہ بطحیٰ کے سایہ میں

ضیاء الدین تھے روحانیت کے جوہر قابل
بفضلِ حق تعالیٰ تھے علوم دین کے حامل
یہ پابندِ شریعت بھی تھے اور تھے ذاکر و شاغل
خلافت قادری سلسلہ کی ان کو تھی حاصل

امام اہلِ سنت نے دیا ان کو وثیقہ تھی
یہ تھے احمد رضا خاں اعلیٰحضرت کے خلیفہ بھی

فیوض پیر سے دارین کی دولت ملی ان کو
بزرگوں سے چلی آئی تھی وہ نعمت ملی ان کو
مدینہ میں رسول پاک کی قربت ملی ان کو
یہ قربت کیا ملی بس جیتے جی جنت ملی ان کو

بہر رُخ، زندگی حضرت کی تابندہ نظر آئی
پسِ مردن بھی یہ ہستی درخشندہ نظر آئی

تھی عمر اٹھارہ سال انکی۔ مگر یہ دیکھئے قسمت
وطن کو چھوڑ کر کی آپ نے بغداد کو ہجرت
فیوضِ غوث اعظم سے ہوئے جب بہرور حضرت
بڑھی ایمان کی دولت۔ ملی عرفان کی نعمت

ملی ہے آٹھ سال ان کو سعادت حاضری کی بھی
ہوئی ہے قادری جلوہ سے روشن زندگی انکی

دل و روح و نظر تھے قادری فیضان سے روشن
وہ انوار و فیوضِ غوث کا تھا ان کا دل مسکن
ہوا سرسبز اور شاداب بھی عرفان کا گلشن
شریعت کے بنے مخزن طریقت کے ہوئے معدن

حضور غوث اعظم سے تعلق وہ تعلق ہے
غلامی ان کی مل جائے تو پھر سب کچھ تصدق ہے

وہی ہیں پیر پیراں، میر میراں غوث صمدانی
خدا نے جن کو بخشا رتبۂ محبوب سبحانی
خزانہ آپ کا ہے نازشِ گنج سلیمانی
جہانِ اولیاء پر حشر تک ہے ان کی سلطانی

فیوضِ بیکراں ہے آستانہ غوث اعظم کا
خدا ہے غوث اعظم کا زمانہ غوث اعظم کا

گھڑی آخر وہ آئی اور بھی جب سرفرازی کی
نئی آئی نظر اک شانِ حق کی کارسازی کی
ملی ہے قوت پرواز ان کو شاہبازی کی
بشارت میں تھی پنہاں شان بھی بندہ نوازی کی

ہوا ارشاد حضرت ارضِ طیبہ کو کریں ہجرت
قوی تر تاکہ ہو جائے قوی بغداد کی نسبت

بشارت ملتے ہی حضرت مدینے کو چلے آئے
جو دولت غوث نے دی تھی اُسے بھی ساتھ لائے تھے
نہ گھبرائے۔ اگرچہ آئے نازک مرحلے آئے
امنگیں تازہ تازہ اور نوادر حوصلے لائے

وہ جب آئے تو ترکوں کی خلافت کا زمانہ تھا
مگر پیشِ نظر ان کے نبی کا آستانہ تھا

شریف مکہ کا، دَور آگیا ان کی نگاہوں میں
نشیب آئے فراز آئے ہمیشہ ان کی راہوں میں
کبھی تھے عامیوں میں اور کبھی تھے بادشاہوں میں
نظر آئے برابر مسجدوں میں خانقاہوں میں

مدینے میں سعودی دور بھی برسا برس دیکھا
ذرا سا بھی نہ بدلے آپ۔ گو سارا جہاں بدلا

یہ عالم جس پہ نازاں ہو۔ مقدر ایسا پایا تھا
رسول اللہ نے ان کو مدینے میں بلایا تھا
نبی کے نور نے ہستی کو ان کی جگمگایا تھا
شرف یہ اختصاصی آپ کے حصّہ میں آیا تھا

رسول پاک جس پہ مہرباں حق مہرباں ہو
ہوا حق مہرباں تو مہرباں سارا جہاں ہو

نظارا گنبدِ خضرا کا روز و شب یہ کرتے تھے
ان ہی انوار سے ممدوح کے جوہر نکھرتے تھے
یہ بحرِ معرفت میں ڈوبتے تھے اور ابھرتے تھے
ہمیشہ نت نئے صدقوں سے دامن اپنا بھرتے تھے

مقدر کے دھنی بیشک ضیاء الدین احمد تھے
بفیض حبّ ختم المرسلین اونچے ہوئے تھے

رہا اسّی برس تک سلسلہ رشد و ہدایت کا
شریعت کا۔ طریقت معرفت کا اور حقیقت کا
رکھا اونچا ہی جھنڈا آپ نے حق و صداقت کا
ملا تھا آپ کو ثمرہ بھی فیضانِ رسالت کا

اندھیرے آئے تو۔ چمکے یہ حق کی روشنی بن کر
ہر اک عہدِ حکومت میں رہے حضرت جری بن کر

خدا و مصطفےٰ سے واسطہ اور دنیا سے بیگانہ
رہے ہیں حبّ شمعِ غوث پر یہ بن کے پروانہ
یہی ہے مختصر سے مختصر حضرت کا افسانہ
خزانہ دولت دارین کا تھا ان کا کاشانہ

نہ ہٹنے پائے راہِ شرع و سنت سے قدم انکے
نبی کے فیض سے جاری رہے لطف و کرم انکے

غم رحلت وہ ہے جو خون کے آنسو رلاتا ہے
بھلاؤں لاکھ پھر بھی لطف ان کا یاد آتا ہے
یہاں آتا ہے جو بھی ایک دن دنیا سے جاتا ہے
یہ سب ہے ٹھیک مرزا دل کہاں سے چین پاتا ہے

ہوا گم دین و دنیا کا گہر دن کے اجالے میں
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں عرب و عجم کے بہت سے علماء حق کو دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ بڑے سے بڑا عالم بھی حضرت کے سامنے ایسا لگتا تھا کہ زانوئے ادب طے کر رہا ہے مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ایسے عاشق رسول تھے کہ بیان سے باہر۔ تین چار مرتبہ مجھے حضرت کے ساتھ حج اور مدینہ منورہ میں حاضری کی عزت نصیب ہوئی علاوہ اپنی بہت سی خوبیوں کے حضرت مجاہد ملت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کے مرتبے سے خوب واقف تھے، اپنی عنایت و ذرہ نوازی سے مجھ پر بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔ گو زندگی درویشانہ گزارتے تھے مگر اڑیسہ کے بڑے رئیسوں میں ان کا شمار تھا بلکہ وہاں کے وہ رئیس اعظم تھے۔ اپنے وصال سے چند ماہ پہلے حج سے فارغ ہو کر اور مدینہ منورہ کے فیوض و برکات سے

مالا مال ہو کر ہندوستان واپس ہوئے تھے ابھی تک حضرت کا نورانی چہرہ
آنکھوں میں پھرتا ہے۔ حضرت سے متعلق اپنے منظوم تاثرات کو بھی اس مجموعہ میں
شامل کر دیا ہے۔ اللہ تعالے حضرت کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین

مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی یادیں

تھی ان کی زندگی آئینۂ انوارِ ایمانی
عیاں تھی آپ کے اعمال سے سنت کی تابانی
تھا حاصل فضلِ حق سے فیضِ دینی فیضِ روحانی
ہویدا پھر نہ کیسے ہوتی ایمانی درخشانی

وہ ملت کے مجاہد تھے بڑے ہی مردِ مومن تھے
بیاں ہوں کس طرح جب ان گنت انہیں محاسن تھے

ورائے سرحدِ وہم گماں حق آگہی جن کی
منظم زندگی جن کی مکمل حق رسی جن کی
نمونہ تھا عمل کا۔ دین کی شائستگی جن کی
منوّر سنت و قرآن سے تھی زندگی جن کی

بزرگِ محترم کی عظمتوں کا کیجے اندازہ
نظر جب روئے حضرت پر پڑی ایماں ہوا تازہ

جو ہیں اہلِ نظر وہ جانتے ہیں مرتبہ ان کا
رہا تا منزلِ مقصود روشن راستہ ان کا
خدا اور مصطفےٰ سے مل گیا تھا سلسلہ ان کا
اسی باعث بہت اونچا تھا دینی حوصلہ ان کا

حوادث کے بہت طوفان ٹکرا کر ہوئے واپس
مقابل ان کے جو آئے وہ گھبرا کر ہوئے واپس

خدا کا فضل تھا ان پر۔ نبی کی ان پہ تھی شفقت
مئے حبِّ نبی سے مست اور سرشار تھے حضرت
خدا و مصطفےٰ اور اولیا سے تھی قوی نسبت
ہمیشہ سر پہ تھی سایہ فگن اللہ کی رحمت

بزرگِ محترم تھے مسندِ ارشاد پر فائز
خدا بخشے انہیں مرزاؔ کہ ہر توصیف ہے جائز

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد کے انتقال پُر ملال کی خبر سُن کر ہر جگہ صفِ ماتم بچھ گئی۔ جگہ جگہ تعزیتی جلسے ہو رہے تھے۔ اخبارات میں ان کی اطلاع آرہی تھیں۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند و جانشین عالم ذیشان مولانا فضل الرحمٰن صاحب قادری کے نام تعزیتی پیامات ٹیلیفون ٹرنک، ٹیلکس، ٹیلیگرام اور خطوط کے ذریعہ وصول ہو رہے تھے اور حضرت ان کے جوابات دینے میں مصروف تھے۔ حضرت قبلہ کے وصال کے تین دن تک تو شہر مدینہ کے معززین تعزیت کیلئے آرہے تھے،

اس کے بعد وہ لوگ جو بوقتِ وصال موجود نہ تھے آتے گئے۔ بہرحال دن تعزیتی خطوط و پیامات کی وصولی اور ان کے جواب میں گزرتا اور رات میں بعد عشاء محفل میں مولانا ضیاء الدین قادری سے متعلق کوئی تقریر یا منقبت سنائی جاتی۔ نعت شریف کی محفل ہوتی اور صلوٰۃ وسلام کے بعد سب کھانے میں شریک ہوتے۔ یہی سلسلہ چل رہا تھا۔ ابھی حضرت قبلہ رحمۃ اللہ کا غم تازہ تھا کہ حضرت کے پیرومرشد اعلیٰحضرت امام اہلِ سنت کے فرزند ارجمند مفتی اعظم حضرت الحاج مصطفیٰ رضا خاں صاحب کے وصال پُر ملال کی جگر خراش خبر ملی۔ بریلی شریف میں ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء م ۱۴ر محرم ۱۴۰۲ھ ایک بجکر چالیس منٹ رات میں یعنے شب پنجشنبہ دنیائے غم کے بادل چھا گئے جسنے سُنا دم بخود رہگیا حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت محبوب رضا خاں صاحب نے ایک اچھی منقبت سنائی جس کا مطلع تھا:

اے بریلی کے شہریار سلام ؛ اہلِ سنت کے تاجدار سلام

اسی کے دوسرے دن میں نے ایک منقبت وہیں لکھ کر سنائی، اس محفل میں علاوہ اور اصحاب کے حضرت محمد سعید صاحب کانپوری معاون مدیر اعلیٰ "ماہنامہ اعلیٰحضرت" بھی شریک تھے انھوں نے اس منقبت کو اسی رسالہ کے شمارہ (۵) بابتہ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ م مئی ۱۹۸۲ء میں شائع فرمایا۔

اسی رسالہ سے یہ نقل پیش ہے:۔

نذرانۂ عقیدت

وصال پُر ملال کی خبر سُنکر یہ اشعار مدینہ منورہ میں کہے گئے اور وہیں ایک مجلس میں سنائے گئے :-

مفتیٔ اعظم ہند ہمارے ؛ احمد رضا کی آنکھ کے تارے
علم و حکمت کے گہوارے ؛ وسط محرم میں وہ سدھارے
اعلیٰ حضرت کی تھی نشانی ؛ شاہِ مدینے کے تھے پیارے
غوث اعظم پر وہ فدا تھے ؛ غوث اعظم کے تھے دلارے
عمر کے سارے دن حضرت نے ؛ دین کی خدمت ہی میں گزارے
اس کی یا رب تو ہی جزا دے ؛ بگڑی کو اب تو ہی سنوارے
کون ہے جو فریاد سنے گا ؛ غم کا مارا کس کو پکارے
غائب ہے نیّا کا کھویّا ؛ کون لگائے اِسے کنارے
غم کی کہانی کیسے سنائیں ؛ کس سے کہیں دکھ درد بچارے
ایک ضیا - ایک مفتیٔ اعظم ؛ اہلِ سنت کے تھے سہارے
ڈیڑھ مہینے کے اندر ہی ؛ دونوں ہوئے اللہ کو پیارے
دین پہ نازک وقت پڑا ہے ؛ کہدیتا ہوں ہانکے پکارے
ان کا بدل قدرت سے ملے گر ؛ ہو جائیں گے وارے نیارے
مُردہ تن میں جان پڑے گی ؛ رشک کریں گے چاند ستارے
ان کا ستارہ اوج پر ہوگا ؛ ملتے رہیں گے ہمیں اشارے

آنسو کے قطروں کے سوا اب
پاس ہے کیا ۔ جو نذر دارے

خاکپائے سگِ طیبہ
مرزا شکور بیگ مرزا

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کے وصال کے بعد حضرت
مفتی اعظم قبلہ کا رحلت فرمانا ایک روح فرسا حادثہ ہے اور اس سے
عالم اسلام و اہلِ سنت میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا ممکن نہیں ۔ ایسے
اخلاق، ایسے کردار و زہد و تقوی و پابندیٔ شریعت اور اتباع سنت
کی مثال کہاں ملے گی ۔ حضرت ممدوح جب حج کیلئے تشریف لائے،
فدوی بھی حاضر تھا ۔ مولانا ضیاء الدین احمد قادری پیر و مرشد رحمۃ اللہ
کے صاحبزادے کے استقبال کیلئے کئی میل آگے تشریف لے گئے ۔ جب
ان کے مدینہ منورہ آنے کی اطلاع ملی، موسم گرما تھا ۔ اس کے باوجود کئی
گھنٹے انتظار فرمایا ۔ میں نے ان دونوں بزرگ ہستیوں کی ملاقات کا منظر
بھی دیکھا ہے جو بیان سے باہر ہے ۔ دونوں ایک دوسرے کی تعظیم
فرما رہے تھے مگر حضرت ضیاء الدین احمد صاحب گو عمر میں بڑے تھے مگر ایسے
با ادب تھے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا ۔ مولانا ضیاء الدین صاحب بھی
دعا فرما رہے تھے کہ حضرت مفتی اعظم قبلہ کی رہائش کا ٹھکانہ حضرت
کے مکان کے قریب ہی مل جائے ۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت کے گھر
بالکل سامنے کا مکان خالی ہوا اور حضرت مفتی اعظم قبلہ کی رہائش

کیلئے لے لیا گیا اور حضرت اسی میں قیام فرما رہے، مجھے حضرت مفتی اعظم
قبلہ کے ساتھ اسی سال حج کرنے کی بھی عزت نصیب ہوئی۔ انکی ذرہ نوازی
کی یاد دل میں تازہ ہے۔ اللہ تعالے حضرت کے درجات بلند سے بلند
فرمائے۔ حضرت کی یاد نے جب ستایا تو ایک مسدس کی شکل جذبات
نے اختیار کی وہ بھی پڑھ لیجئے:

تھے کوہ نور علمی۔ اہل سنت و الجماعت کے
شریعت کے تھے مخزن اور معدن تھے طریقت کے
دکھائے آپ نے جوہر بہت کچھ قابلیت کے
بجے ہیں چار دانگ دہر میں ڈنکے فضیلت کے
رسول پاک ان کے تھے، خدا تھا کارساز ان کا
خصوصی ان کا رتبہ تھا، خصوصی امتیاز ان کا

دماغ ان کا تھا روشن، چشم روشن، ذہن روشن تھا
جو تھا کردار ان کا۔ فیض سنت سے مزین تھا
ادب کا، علم کا۔ روحانیت کا، قلب مخزن کا
ہمیشہ سایۂ غوث الورا میں ان کا مسکن تھا
فرشتے دیں گواہی جس کی، ایسی پاک بازی تھی
خدا نے ان کو بخشی ہر طرح کی سرفرازی بھی

گہرا ایمانی ملتے تھے انھیں دریائے دینی سے
محافظ تھے شریعت کے، تو رہبر تھے طریقت کے

اگر ہو چشم دل روشن تو، ان کے مرتبے دیکھے
سمجھ میں آ نہیں سکتے، ہیں پھر بھی مرتبے سارے
نبی کی رحمتیں تھیں، فضل تھا اللہ کا اتنا
تہی دامن یہاں آکر۔ تہی دامن نہیں لوٹا
جو تھا کردار وہ ہم صورتِ آبِ مصفّا تھا
یہ اپنی ذات سے تھے انجمن اور پھر بھی تھے تنہا
ہے سارے اہلِ سنت والجماعت کی دعا مرزا
خدا دے جنت الفردوس کے درجات بھی اعلیٰ
ہمیشہ آپ پر دنیا میں تھا سرکار کا سایہ
رہے وہاں بھی الٰہی۔ احمد مختار کا سایہ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ العالی پابندی سے عشاء کے بعد مجالس میں موجود رہتے تھے۔ حضرت کی موجودگی ان کے محترم والد ماجد علیہ الرحمہ کی یاد کو تیز کر دیا کرتی تھی۔ ان مجالس میں ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا فیض وکرم جاری ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے قائم رکھے۔ مجھ سے بھی کبھی فرمائش ہوتی تھی کہ کوئی تازہ نعت شریف سناؤں۔ میں تعمیل حکم میں اپنی بھدی آواز میں ایسے اشعار سنا دیتا تھا

○

نہ تو ان کا کوئی شریک ہے، نہ تو ان کی کوئی مثال ہے
ہے بشر کے روپ میں نورِ حق، بخدا خدا کا کمال ہے

یہ تو اور بڑھتا ہی جائے گا یہ ہے مہران کے عروج کا
نہ تو اس کا کوئی غروب ہے، نہ تو اسکو کوئی زوال ہے

میں تڑپ رہا ہوں، فراق میں، مجھے اس گھٹن سے نکال لے
یہ فضا تو ایسی کثیف ہے مجھے سانس لینا وبال ہے

میں سراپا جرم و قصور ہوں، مرا حال زار نہ پوچھیے
ہوں خراب سے بھی خراب تر یہی مختصر مرا حال ہے

یہ حبیب پاک کا شہر ہے نہیں ہے یہ باغِ ارم سے کم
نہ کسی کو یاں کوئی فکر ہے نہ کسی کو حزن و ملال ہے

جو انہی کے در کے فقیر ہیں وہی اپنی آپ نظیر ہیں
نہ کسی کا دست دراز ہے، نہ کسی کے لب پہ سوال ہے

میں کہوں جو تجھ سے تو کیا کہوں تو رؤف ہے تو رحیم ہے
تری اک نگاہ کی بات ہے، میری زندگی کا سوال ہے

یہ حبیب حق ہیں، یہ نور حق، ہے ان ہی کے دم سے ظہور حق
کروں نعت کا جو میں حق ادا۔ بھلا مرتضیٰ میری مجال ہے

○

نہیں ہے ایک بھی نیکی، ثواب کیا ہوگا
کوئی حساب میں ہوں میں، حساب کیا ہوگا
نبی کے نور کے صدقے سے یہ تجلّی ہے
مقابل ان کے بھلا ماہتاب کیا ہوگا

چھپائیے مجھے محشر میں اپنے دامن میں
چھپا جو لوں - تو پھر اس کا حساب کیا ہو گا
اللہ ہی کے عزت و عظمت دکھائی جائیگی
ہمیں خبر ہے کہ روز حساب کیا ہو گا
خدا کے نور سے ظاہر جو ذات پاک ہوئی
وہ ذات پاک کا کہئیے جواب کیا ہو گا
گناہ گار ہے جب بال بال اے مرزا
گناہ گاروں میں میرا جواب کیا ہو گا

○

اے حبیب جہاں - راحت قلب وجاں
غم کے مارے ہیں ہم - اک نگاہِ کرم
محسن دو جہاں - باعث کن فکاں
غم کے مارے ہیں ہم - اک نگاہِ کرم
رہبر کاروان - منزل عاشقاں
غم کے مارے ہیں ہم - اک نگاہِ کرم
سرور قدسیاں - عرش کے مہماں
غم کے مارے ہیں ہم - اک نگاہ کرم
شافع عاصیاں - راحت جاوداں
غم کے مارے ہیں ہم - اک نگاہ کرم

سیّدِ انس و جاں - چارۂ بیکساں
غم کے مارے ہیں ہم - اِک نگاہ کرم

واقفِ سوزِ جاں - جانِ تشنہ لباں
غم کے مارے ہیں ہم - اِک نگاہ کرم

وجۂ اشکِ رواں - میرے آرامِ جاں
غم کے مارے ہیں ہم - اِک نگاہ کرم

مرزا جائے کہاں - چھوڑ کر آستاں
تاجدارِ حرم - اِک نگاہ کرم

○

جب وہ منزل قریب ہوتی ہے ؛ دل کی حالت عجیب ہوتی ہے
عشق کی بات ہی نرالی ہے ؛ دُور کی شے قریب ہوتی ہے
خوش نصیبی تو انکی ہے جنکی ؛ دید ان کی نصیب ہوتی ہے
یادِ ان کی مریض کے حق میں ؛ درحقیقت طبیب ہوتی ہے
ان کو وہ لوگ سب سے پیارے ہیں ؛ جن کی حالت غریب ہوتی ہے
ایک منزل ہے عشق میں ایسی ؛ خامشی بھی خطیب ہوتی ہے
دل وہی دل ہے جس میں آٹھ پہر ؛ آرزوئے حبیب ہوتی ہے

ان کی آمد سے قبل ہی مرزاؔ
دل کی دھڑکن نقیب ہوتی ہے

منقبت

حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم دستگیر
لیبیہ ہر اللہ والے کے ہے نام دستگیر

جانتا کوئی نہیں اصلی مقام دستگیر
مل رہا ہے گرنے والوں کو سہارا آج بھی

کر رہا ہے کام اپنا اب بھی نامِ دستگیر
ساقیٔ بغداد کی عالم میں ہر سو دھوم ہے

چل رہا ہے میکدہ میں اب بھی جامِ دستگیر
دل کی گہرائی سے جب نکلے ہوئے وہ بول ہیں

دل کو پھر کیسے نہ گرمائے کلامِ دستگیر
کوئی جانے یا نہ جانے ہے مجھے اس کا یقین

حشر میں رسوا نہیں ہوگا غلامِ دستگیر
پانے والے پا رہے ہیں گوہرِ مقصود کو

آج بھی جاری کا ہے مرتضٰی فیض عامِ دستگیر

ایک شعر

خلق گرویدہ ہوئی سنتے ہی قالِ دستگیر
اس کی خالق کو خبر ہے جو تھا حالِ دستگیر

آخری گذارش

بڑی روا روی میں اس کتابچہ کی تکمیل ہوئی ہے۔ نظرِ ثانی کا بھی موقع نہ مل سکا۔ وقت کم تھا۔ مجھے پھر مدینہ منورہ کی حاضری کی دھن تھی رمضان شریف کے شروع ہونے میں دو دن باقی تھے۔ بہر حال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبول عطا فرمائے۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دنوں میں جو بے ادبیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہوں، اپنے کرم سے درگذر فرمائے اور پھر وہاں حاضری کی عزت نصیب فرمائے۔ جن اصحاب کے ناموں کو اس کتابچہ میں شامل ہونا چاہیئے تھا اور شامل نہ ہو سکے، ان سے معذرت خواہ ہوں۔ جن اصحاب کا ذکر آیا ہے اگر بیانات میں کوئی سہو ہوگیا ہو، امید کہ وہ درگزر فرمائیں گے۔ اور جن ہاتھوں میں یہ کتابچہ پہونچے ان سے ذاتی گذارش ہے کہ اس حقیر کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں کہ مدینہ منورہ میں ادب سے حاضری اور وہیں ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔

آمین دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مرزا شکور بیگ مرزا
احمد منزل ۱۱-۳-۱۰
سیف آباد۔ حیدرآباد ۴
(اے پی) انڈیا

تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ
ٹیلیفون نمبر
۳۴۷۱۷

نعتوں کے مجموعے

مرزا صاحب کی نعتیں کیا ہیں؟ محبت بھرے دل کی پکار ہے بقول حضرت عبدالماجد دریابادی "مرزا صاحب تاثر میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔ پُرکیف، پُردرد نعتوں کے مجموعے جو شاعرانہ اعتبار سے بھی خوب ہیں۔

"مدینے کا صدقہ" "مدینے کا تحفہ" "مدینے کا عطیہ" "مدینے کا ہدیہ" "مدینے کا فیضان" اور "مدینے کے انوار" "مدینے کی برکات" "مدینے کا کرم" "مدینے کے اسرار" "مدینے کے پھول" "زعفرانے" مزاحیہ کلام جس میں گدگدیوں کے ساتھ چٹکیاں بھی ہیں۔ قیمت دو روپے)
نعتیہ کلام کے ہر حصہ کا ہدیہ دو ریال علاوہ ڈاک خرچ

ملنے کے پتے

(۱) ادبی ٹرسٹ بک اسٹال: عابد روڈ۔ حیدرآباد (اے۔پی)
(۲) احمد منزل: بنگلہ ڈاکٹر رفیق احمد صاحب سیف آباد، حیدرآباد ۴ (اے۔پی)
ٹیلیفون نمبر (۳۴۷۱۷)

مطبوعہ
نیشنل پرنٹنگ پریس
چار مینار

کتبہ
خادم محمد داؤد علی
یاقوت پورہ